تحفظِ ناموسِ رسالت کا قانون اور
مقامِ نبوت و رسالت

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** صاحب کے 10 دسمبر 2010ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! اس وقت ملک میں ناموس رسالت ایکٹ کے حوالے ایک بہت اہم بحث سرگرمی کے ساتھ جاری ہے۔ ناموس رسالت اور توہین رسالت کی سزا کے حوالے سے اہل علم حضرات اور دینی طبقات تو پورے طور پر متفق اور متحد ہیں۔ اُن میں اِس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا موت ہے۔ تاہم کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے اور بیرون ممالک سے تعلیم حاصل کرنے والے بعض لوگ جن کے ہاتھ میں بدقسمتی سے ملک کی زمام کار بھی ہے، توہین رسالت کی سزا (موت) کے حوالے سے کنفیوژن پھیلا رہے ہیں۔ اُن کی طرف سے ایسے بیانات میڈیا پر آرہے ہیں جن سے مقام رسالت کی بھی توہین ہوتی ہے۔ اس کی نمایاں مثال گورنر پنجاب سلمان تاثیر کا وہ بیان ہے، جس میں انہوں نے توہین رسالت ایکٹ کو کالا قانون قرار دیا ہے۔ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ توہین رسالت کے مرتکب کے لیے سزائے موت قرآن و حدیث اور سیرت سے ثابت نہیں۔ اس طرح یہ لوگ اِس قانون کے حوالے سے کنفیوژن پھیلا رہے ہیں، اور اِس کے خاتمے کی ناپاک مہم چلا رہے ہیں۔ اِن عقل گزیدہ لوگوں کے حلق سے یہ قانون کسی طور نہیں اُترتا۔ اِس کی بڑی وجہ استخفاف رسالت اور انکار سنت پر مبنی پرویزی افکار ہیں، جن کا ان اذہان پر غلبہ ہے۔ افسوس کہ اِن لوگوں نے اعلیٰ ڈگریاں تو حاصل کرلیں، یہاں تک کہ ایم فل اور پی ایچ ڈی تک کرلیا، لیکن یہ دینی تعلیم سے پورے طور پر بے بہرہ ہیں۔ یہ اپنی عقل کے غلام ہیں، لہٰذا دینی معاملات کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔

چنانچہ جو شخص بھی عقلیت کی بنیاد پر دین کا ایسا ورژن پیش کرے جس کے تحت آج کے دور میں ساری دنیا کے ساتھ ہم آہنگی کے ساتھ چلنا آسان ہو جائے، اُس کی بات ان کے دل کو لگتی ہے، اور جو بات اُن کی محدود عقل میں نہ آئے، یہ اُسے رد کر دیتے ہیں۔ غلام احمد پرویز کہتا تھا کہ ہم حدیث کے منکر نہیں بلکہ صرف اُس حدیث کو مانتے ہیں جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہو، اور جو حدیث قرآن سے ٹکرائے وہ خواہ صحاح ستہ ہی کی کیوں نہ ہو اُسے ہم رد کر دیتے ہیں۔ یہ بات بظاہر تو بڑی معقول ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کون کرے گا کہ حدیث قرآن سے ٹکرا رہی ہے۔ کیا یہ فیصلہ غلام احمد پرویز یا جاوید احمد غامدی کریں گے؟ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں یونہی نہیں پہنچ گئیں۔ بڑی تحقیق و تفتیش کے بعد یہ ذخیرۂ علم ہم تک پہنچا ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کا سلسلہ نبی کریم ﷺ سے چلا اور یہ دور صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین میں آگے بڑھا ہے۔ اس علم سے بڑے بڑے آئمہ، محدثین اور مفسرین گزرے ہیں۔ انہوں نے اس راہ میں اپنی زندگیاں کھپائیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگرچہ ذخیرۂ احادیث میں کچھ موضوع روایات بھی شامل کر دی گئی ہیں، تاہم صحیح احادیث سے میں کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جو قرآن سے ٹکراتی ہو۔ اس کے باوجود اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ دراصل اُس کی عقل و فہم کا قصور ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ اپنی نارسا عقل اور کم فہمی کی بنیاد پر حدیث کو قرآن سے متصادم قرار دے کر رد کر دے۔ جو لوگ اقوال رسولؐ کو رد کرتے ہیں انہوں نے نہ تو قرآن حَکَم کو بنایا ہے اور نہ ہی سنت کو بلکہ اپنی عقل کو حَکَم کو بنایا ہے جو انتہائی ناقص ہے۔ اور یہ بغیر دینی علم کے ''فتوے'' دیتے ہیں۔ پس سارے بگاڑ اور خرابی کی جڑ بنیاد ہی سنت کا استخفاف اور اس کی حجیت کا انکار ہے۔ حدیث و سنت تو شریعت کا بنیادی ماخذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی اطاعت لازم قرار دی ہے۔ قرآن حکیم میں جا بجا اللہ کی اطاعت کے ساتھ اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ طبقہ جو سنت رسول ﷺ کے حوالے سے شکوک و شبہات کا شکار ہے، دراصل علم دین سے بالکل ناآشنا ہے۔ اِسے معلوم ہی نہیں کہ سنت بھی ویسے ہی محفوظ ہے جیسے قرآن مجید محفوظ ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ قرآن حکیم الفاظ کے ساتھ محفوظ ہے، جبکہ آپؐ کے اقوال لفظاً محفوظ نہیں، اُن کا مفہوم محفوظ ہے۔ چنانچہ ایک ہی موضوع پر آنے والی دو روایات میں لفظی فرق تو پایا جاتا ہے، لیکن اُن کا پیغام اور اُن کے اندر ہدایت یکساں ہوتی ہے۔ اہل علم نے احادیث کے معاملے میں بہت تحقیق کی ہے، اور اس کے بعد پھر اُن کا درجہ متعین کیا ہے۔ اگر علم اسماء الرجال کی تفصیلات دیکھی جائیں تو آدمی کے چودہ طبق روشن ہو جائیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مغرب گزیدہ لوگوں کو یہ تمام حقائق معلوم ہی نہیں۔ یہی وہ اصل حقیقت سے بے خبر طبقہ ہے جو اِس وقت توہین رسالت ایکٹ کی مخالفت میں پیش پیش ہے۔

توہین رسالت کی سزا کیا ہے، اِس سے پیشتر ضرورت اس بات کی ہے کہ مقامِ رسالت کو سمجھا جائے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ رسالت کا کیا مفہوم ہے اور رسول کی اصل حیثیت کیا ہے؟ دیکھئے، انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ سورۃ البقرہ کے چوتھے رکوع میں جہاں قصۂ آدم ابلیس آیا ہے، یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خلافت ارضی عطا کی۔

انہیں زمین پر بھیجنے سے پہلے عبوری دور کے لیے جنت میں رکھ کر دراصل شیطان کے انسان کے ازلی دشمن ہونے کا تجربہ کرایا گیا۔ ورنہ تخلیق آدم اصلاً زمین میں اللہ کی خلافت کے لیے تھی۔ زمین پر انسان کی موت وحیات کا سلسلہ کیوں پیدا کیا گیا؟ اِس کی غرض وغایت ابتلا وآزمائش ہے۔ اللہ نے ہمیں یہ زندگی اِس لیے عطا کی ہے، تاکہ وہ دیکھے کہ کون ہے جو اچھے اعمال انجام دیتا اور اُس کی دی گئی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اللہ نے انسان کے اندر خیر وشر دونوں قسم کے رجحانات بھی رکھ دیئے، اور اُس کی فطرت میں نیکی اور بدی کی پہچان بھی رکھ دی۔ یہی نہیں، عالم ارواح میں اُس سے اپنی بندگی کا پختہ عہد بھی لے لیا۔ یہ استعدادات جو انسان کو دی گئی ہیں، اِن کی بنا پر اللہ تعالیٰ آخرت میں انسان کا محاسبہ کرے گا۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ خیر وشر کی تمیز عطا کرنے اور بندگی کا اقرار لینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اُس کی ہدایت وراہنمائی کے لیے نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر علاقے کے لیے رسول بھیجے، تاکہ وہ اُن مخفی چیزوں کی جو انسان کی فطرت میں پہلے سے موجود ہیں، یاددہانی کرائیں اور اُس پر کائنات کے اصل حقائق کھول کر بیان کریں۔ چنانچہ رسول کی دعوت انسان کی فطرت کی پکار ہوتی ہے۔ جب بھی اللہ کا رسول یہ دعوت پیش کرتا ہے کہ اس کائنات کا خالق ومالک ایک اللہ ہے اسی کے قبضہ قدرت میں پوری کائنات ہے، اُس کی بندگی کرو، یہ زندگی امتحانی وقفہ ہے، مرنے کے بعد تمہیں اپنے اعمال کا حساب دینا اور صلہ پانا ہے تو جس شخص کی فطرت مسخ نہ ہوگئی ہو، وہ اُس کو قبول کرتا، اور آسمانی ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ یہی سلسلہ وحی ورسالت کا اصل مقصد تھا۔ چنانچہ قصۂ آدم وابلیس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی کہ

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾﴾ (البقرۃ)

''ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ، جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ وحوا اور جو اولاد پیدا ہونے والی تھی سب کی نسبت یہ حکم دیا کہ بہشت سے زمین پر جا کر رہو، جس کی خلافت تمہیں دی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ جو لوگ آسمانی ہدایت کی پیروی کریں گے، وہ غم وحزن سے دوچار نہیں ہوں گے۔ انہیں آخرت کی کامیابی حاصل ہوگی۔

اللہ کی یہ ہدایت انسانوں تک کیسے پہنچتی ہے، اس کا ذریعہ رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری کیا۔ نوع انسانی کی رہنمائی کے لیے ایک لاکھ سے زائد انبیاء اور 313 رسول مبعوث کیے۔ اِن رسولوں میں سے چند تو وہ ہیں جن کے نام اور اجمالی یا تفصیلی ذکر قرآن میں آیا ہے۔ باقی کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں آیا۔ رسول لوگوں کے پاس اللہ کا نمائندہ بن کر آتا ہے۔ ''رسول'' کے معنی پیغامبر کے ہیں، یعنی پیغام پہنچانے والا، اور ''پیغام'' سے مراد نوع انسانی کے لیے وہ ہدایت ہے جو وحی کی شکل میں جبرئیل امین کے ذریعے رسول تک پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان سے براہ راست کلام نہیں کرتا بلکہ ملائکہ اور رُسل کے ذریعے انسان تک اپنی ہدایت پہنچاتا ہے۔ تو رسول کا مقام جیسا کہ کہا گیا اللہ کے نمائندہ کا ہے۔ ہمارے ہاں وہ طبقہ جس میں استخفاف رسالت وانکار سنت کے وائرس سرایت کیے ہوئے ہیں، کا یہ کہنا ہے کہ رسول کا کام تو صرف ڈاک کے ہرکارے کا ہے، لہٰذا (معاذ اللہ) اصل اہمیت پیغام کی ہے نہ کہ رسول کی۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہیں توہین رسالت ایکٹ ہضم نہیں ہو رہا۔ یہ لوگ خاتم النبیین ﷺ اور خاتم المرسلین ﷺ کو بھی اِسی مقام پر رکھنا چاہتے ہیں اور نبی ﷺ کو وہ مقام دینے کو تیار نہیں جو آپؐ کو اللہ نے عطا کیا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اللہ کا پیغام لانے والا ہوتا ہے، لیکن وہ صرف پیغام پہنچاتا ہی نہیں، وہ اللہ کی طرف سے آسمانی ہدایت کو واضح کرنے پر مامور بھی ہوتا ہے۔ وہ ہدایت کہ جو انسانی فطرت میں پہلے سے موجود ہے۔ رسول کا کام محض ہدایت ربانی کو پہنچا دینا نہیں، بلکہ اُس کو اچھی طرح واضح کرنا اور لوگوں پر اتمام حجت کرنا بھی ہوتا ہے۔ اُس کی حیثیت اللہ کے نمائندے اور سفیر کی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی اطاعت لازم قرار دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جو بھی نبی اور رسول آیا، اُس نے لوگوں کو بندگی رب کی دعوت کے ساتھ ساتھ اُن سے اپنی اطاعت کا مطالبہ بھی کیا۔ اللہ کے رسول حضرت نوح علیہ السلام کا جنہیں آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں تفصیل سے ذکر آیا ہے۔ اُنہوں نے اللہ کے تقویٰ کے ساتھ اپنی اطاعت کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ سورۂ نوح میں فرمایا:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٣﴾﴾

''ہم نے نوح کو ان کی قوم کر طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ ان پر دردد ینے والا عذاب واقع ہو، اپنی قوم کو ہدایت کر دو۔ انہوں نے کہا کہ بھائیو، میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں، کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔''

رسول کی مثال اگر ڈاک کے ہرکارہ کی ہوتی تو وہ کسی سے اپنی اطاعت کا تقاضا نہ کرتا۔ اس لیے کہ ڈاک کا ہرکارہ تو خط پکڑا کر چلا جاتا ہے۔ وہ کسی سے اپنی اطاعت کا مطالبہ نہیں کرتا، جبکہ اللہ کا رسول واضح طور پر یہ مطالبہ کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے رسول کی اطاعت کو یہ کہہ کر لازم قرار دیا کہ

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾﴾

(سورۃ النساء)

''اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھتے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے۔''

یہاں اللہ نے واضح کر دیا کہ رسول اپنی اطاعت کا مطالبہ از خود نہیں کرتا بلکہ یہ میرا حکم ہے کہ اُس کی اطاعت کی جائے۔ وہ میرے اذن سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ میرا سفیر ہے۔ اس لیے اُس کی اطاعت میری ہی اطاعت ہے۔ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ یعنی جو رسول کی اطاعت کرتا ہے دراصل وہ اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔'' اور یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صرف انہی باتوں کا حکم نہیں دیتے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بلکہ قرآن کے علاوہ بھی بہت سے باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ مثلاً داڑھی کا حکم قرآن میں نہیں آیا، مگر رسول اللہ ﷺ نے اِس کا حکم دیا ہے۔ اِسی طرح نمازوں کا طریقہ اور جملہ تفصیلات آپؐ نے ہمیں سکھائی ہیں، اور حکم دیا ہے کہ نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ یہی سنت ہے۔ پس آپؐ کی طرف سے جو بھی حکم ملے، اُس کی تعمیل لازم ہے۔ اس لیے کہ آپؐ کوئی بھی حکم اپنی طرف سے نہیں

دیتے بلکہ آپؐ کی ہر بات وحی کی روشنی میں ہوتی ہے۔

چونکہ اللہ اپنے نبی اور رسول کو اپنا نمائندہ اور سفیر بنا کر بھیجتا ہے، اس لیے ایک تو اِس کی اطاعت فرض ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ اِس کا احترام، اس کی ناموس کا لحاظ لازم ہے۔ اگر کوئی اللہ کے سفیر کا احترام نہ کرے، اور اُن کی ناموس پر حملہ آور ہو تو یہ وہ جرم ہے جو ناقابل معافی ہے۔ اِس کی سزا موت اور صرف موت ہے۔ دنیا میں بھی یہی دستور ہے۔ جو شخص کسی ملک کے سفیر کی توہین کرتا ہے، درحقیقت وہ اُس ملک کی توہین کرتا ہے۔ سفیر کی توہین اعلان جنگ تصور کی جاتی ہے، لہٰذا اِس کو کسی طور پر برداشت نہیں کیا جاتا۔ اُس کی ضرور سزا دی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں اِس کی نمایاں مثال غزوۂ موتہ ہے۔ اِس غزوہ کا سبب آپؐ کے سفیر کا قتل بنا تھا، جو آپؐ کا نامہ مبارک لے کر روم گیا تھا۔

رسول چونکہ اللہ کی سفارت اور نمائندگی کے عظیم منصب پر فائز ہوتے ہیں، اللہ کی یہ مستقل سنت ہے کہ وہ دشمنوں کو مقابلے میں اپنے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ خواہ انہیں درمیان میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں، آخری فتح اور کامیابی انہی کے لیے ہوتی ہے۔ وہی منصور ٹھہرتے ہیں۔ اللہ نے اپنی اس سنت کا تذکرہ سورۃ الصافات میں کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿١٧٢﴾ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾﴾

''اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہی (مظفر و) منصور ہیں۔ اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اپنے بندوں میں سے جنہیں رسول بنا کر بھیجتے ہیں، ان کے بارے میں یہ بات ہم نے طے کر دی ہے کہ اُن کی لازماً مدد کی جائے گی۔ اس کی مدد کا بڑا مظہر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم رسول جیسی عظیم المرتبت ہستی کی تکذیب کرتی یا اُس کے قتل کے درپے ہوتی ہے تو اِسے ہلاک کر دیا جاتا ہے، اور اُس کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ رسول محض ڈاک کا ہرکارہ نہیں، اللہ کی نمائندگی کے منصب جلیلہ پر فائز ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا تذکرہ آیا ہے۔ ان سب کے قصوں کا حاصل کیا ہے؟ یہ کہ جب قوم نے رسول وقت کی تکذیب کی، اہل قوم اُسے مارنے پر تل گئے تو اللہ نے اپنے رسول اور اُس پر ایمان لانے والوں کو تو معجزانہ طور پر بچا لیا، اور اُن کے علاوہ پوری قوم کو ہلاک کر ڈالا۔

یوں تو ہر رسول اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت لازم ہوتی ہے، مگر نبی کریم ﷺ تو خاتم النبیین ﷺ اور ختم الرسل ﷺ ہیں۔ آپؐ پر رسالت کی تکمیل ہو گئی۔ آپؐ کی عبدیت بھی کامل ہے اور رسالت بھی کامل۔ والد محترم ختم نبوت کے حوالے سے اکثر یہ فرماتے تھے کہ نبوت و رسالت آپؐ کی ذات گرامی پر اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گئی، تب یہ باب بند کر دیا گیا۔ یہ بات کہ ہمارے رسول مقام میں سب سے بڑھ کر ہیں ہم عقیدت کے طور پر نہیں کہتے بلکہ فی الواقع آپؐ کو اللہ نے یہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔ آپؐ کے مقام بلند کے حوالے سے صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ آپؐ خود فرماتے ہیں: ''میں روز قیامت پوری اولاد آدم کا سردار ہوں گا یہ بات میں فخر کے لیے نہیں کہہ رہا، یہ امر واقعہ ہے۔ اور اُس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور یہ بات بھی میں فخر یہ نہیں کہتا۔'' (جامع ترمذی)

سنت کے بارے میں جو تصور پرویزی پیش کرتے ہیں، یہ حقیقت میں قرآن مجید ہی کا انکار اور رسول کا مقام و مرتبہ کو گھٹانے کی گھناؤنی جسارت ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ رسول اللہ کے مقام کو سمجھا جائے، اگر ہم آپؐ کے مقام عالی کو نہیں سمجھیں تو راہ راست سے بھٹک جائیں گے۔

رسول ﷺ کا فرمایا ہوا حقیقت میں اللہ کا فرمایا ہوا ہے۔ اس لیے کہ آپؐ کے بارے میں قرآن نے یہ فرمایا:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾﴾ (النجم)

''اور آپؐ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے۔ یہ تو (اللہ کا) حکم ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔''

آپؐ جو بات بھی کہتے ہیں، وحی کی بنیاد پر کہتے ہیں۔ وحی دو طرح کی ہے۔ ایک وحی متلو ہے، یعنی جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ قرآن حکیم ہے۔ اور دوسری وحی غیر متلو ہے۔ یہ حدیث و سنت رسولؐ ہے۔ آپؐ کی طرف سے جو ہدایات بھی دی جاتی ہیں، جو بات بھی تلقین کی جاتی ہے، جو رہنمائی بھی کی جاتی ہے، یہ سب کی سب منجانب اللہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہوتی ہے۔ لہٰذا دین نام ہی رسول اللہ کی اطاعت کا ہے۔ اِسی لیے سورۃ الحشر میں آپؐ کی اطاعت کے لیے یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (آیت:7)

''سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔''

رسول ﷺ کی اطاعت سے متعلق اللہ کا یہ فرمان عالی شان کتنا واضح ہے۔ اِس کے بعد بھی اگر کوئی صحیح حدیث سے ثابت شدہ کسی حکم یا نہی کے بارے میں یہ پوچھتا ہے کہ کیا اِس کا ذکر قرآن میں ہے؟ قرآن نے اس کا حکم دیا یا حرام قرار دیا ہے؟ تو اُس کا یہ سوال بدنیتی پر مبنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ حضور ﷺ کو رسول ماننے کے لیے تیار نہیں، اور آپؐ کو وہ مقام دینے سے انکاری ہے جو آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ مقام رسالت کیا ہے؟ اس کو بہت عمدگی سے علامہ اقبال نے واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی

یعنی اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں میں پہنچا دو کہ دین نام ہی مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کا ہے۔ اگر تمہیں اس حقیقت کا یقین نہیں اور تم اِس مقام تک نہیں پہنچتے تو جان لو کہ تمہاری ساری فکر اور دانش بولہبی ہے۔ یہ نری ضلالت اور گمراہی ہے۔

سورۃ الحجرات میں نبی کریم ﷺ کی عظیم المرتبت ہستی کے حوالے سے انتہائی محتاط رویہ اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾﴾

''اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔''

مسلمانو! دیکھنا کہیں آپؐ کی شان میں نادانستہ طور پر بھی گستاخی نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو تمہارے سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ عام طور پر قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خطا و نسیان کو معاف کر دیتا ہے، لیکن یہاں محتاط رہنا، یہ مقام رسالت ہے۔ یہاں بے سوچے سمجھے نادانستہ طور بھی اگر توہین کا معاملہ ہو گیا تو اعمال کی پونجی ضائع ہو جائے گی۔

(مرتب: محبوب الحق عاجز)